حسین سے بھی مراسم، یزید کو بھی سلام

نقش خیال.....عرفان صدیقی

یہ کوئی تیس برس پہلے کی بات ہے۔ پی ٹی وی کے زمانہ عروج میں اشفاق احمد کے ڈراموں نے دھوم مچا رکھی تھی۔ اشفاق صاحب کی مخصوص صوفیانہ فکر کے باعث ان کے ڈراموں پر فلسفیانہ سا رنگ چڑھ جاتا تھا۔ بالخصوص کہانی کا انجام ایسا مبہم ہوتا تھا کہ ناظرین کئی کئی دن الجھے سے رہتے تھے۔ ایک بار ان کا کوئی ڈرامہ ٹی وی پہ چل رہا تھا کہ میں ایک مہمان کے ساتھ مصروف ہوگیا۔ بعد میں بیٹی سے پوچھا ''آخر میں کیا ہوا تھا؟'' وہ کمال معصومیت سے بولی.....''آخر میں ختم ہوگیا تھا ابو''۔

23 دسمبر 2012ء کے جلسہ لاہور سے، 17 جنوری 2013 کو، اسلام آباد کی دل گرفتہ سی شام تک پھیلا کئی ایکٹ کا ناٹک بھی ختم ہوگیا لیکن خلق خدا شاید کبھی نہ جان پائے کہ اربوں روپے کی لاگت سے تیار کی جانے والی اس بے آب و رنگ سی فلم کے مقاصد کیا تھے اور حاصل کیا ہوا۔ شیخ الاسلام، ''حسینی جذبہ شہادت'' سے سرشار، پانچ دن تک اپنے اہل وعیال کے ہمراہ شاہانہ سہولتوں سے آراستہ حجلۂ انقلاب میں بیٹھے، گھنٹوں خطاب فرماتے، نعرے لگواتے، وارننگز جاری کرتے، الٹی میٹم دیتے، حکومتیں توڑتے، اسمبلیاں تحلیل فرماتے، سرکاری عمال کو برطرف کرتے، حکمرانوں کو ناتراشیدہ گالیاں دیتے، اپنے ہزاروں عقیدت مندوں کا لہو گرماتے رہے۔ کون سی قسم تھی جو شیخ الاسلام نے نہیں کھائی؟ کون سا حلف تھا جو انہوں نے اپنے جانثاروں سے نہیں لیا؟ کون سے عہد و پیماں تھے جو انہوں نے اپنے مریدان وفا کیش سے نہیں باندھے؟ اپنی گردن یزیدیوں کی تلواروں کے سامنے پیش کرنے، فرعونوں کی گولیوں کے مقابل اپنا نورانی سینہ حاضر کردینے کے سرفروشانہ اعلانات کرنے کے بعد یکا یک ایک کم ہنر شعبدہ باز کی طرح ان کی پٹاری سارے کرتبوں سے عاری ہوگئی اور وہ بچہ جمورا کے مقام سے بھی نیچے گر گئے۔

ناٹک، انتخابی اصلاحات کے نام پر انقلاب عظیم کے عزم سے شروع ہوا۔ اس مقصد بلند کے لئے ''سیاست نہیں ریاست'' کا نعرہ وضع کیا گیا۔ شیخ الاسلام نے اپنی آتش بیانی سے ایک الاؤ دہکایا۔ انتخابات کے لئے یکسو قوم کا رخ یکا یک بے یقینی اور انتشار کے دلدلی جنگلوں کی طرف موڑ دیا۔ اربوں روپے کے زور پر میڈیا میں ایک چکا چوندی پیدا کردی۔ اچھے اچھوں کو لگا کہ جمہوری نظام گیا کہ گیا۔ حضرت نے فوج اور عدلیہ کو دو بڑے اسٹیک ہولڈرز کے طور پر پیش کر کے تاثر دیا کہ انہیں طاقت کے حقیقی سرچشموں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ کچھ صاحبان قلم وقرطاس پر بھی وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ علامہ اقبال نے کہا تھا

شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

بلاشبہ سادہ و معصوم لوگوں کی کمی نہیں۔ کعبے کے ہر ''برہمن'' کو پجاری مل ہی جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر انقلابی منجن فروش کو قصیدہ نگار بھی مل جاتے ہیں۔ سو کچھ قلم کاروں نے ایسا سماں باندھا جیسے کینیڈا کے برفانی غاروں سے وہ مسیحا برآمد ہوگیا ہے جس کے لئے اٹھارہ کروڑ پاکستانی سراپا دعا بنے ہوئے تھے۔ لانگ مارچ اسلام آباد کے ڈی چوک میں خیمہ زن ہوا تو ان انقلابی قلم کاروں اور ٹی وی میزبانوں کو محسوس ہوا کہ بس اب اس کم نصیب قوم کے دن پھرنے ہی کو ہیں۔ انہیں تاریخ کا یہ سادہ سا سبق بھی یاد نہ رہا کہ صداقت، دیانت، عزم راسخ اور اخلاص کے بغیر کوئی انقلاب نمو نہیں پایا کرتا اور گلی کوچوں میں سوانگ بھرنے اور کرتب کاریوں سے نام پانے والے بازی گر، شعبدے تو دکھا سکتے ہیں، انقلاب نہیں لا سکتے۔

سو جمعرات کی شام ڈی چوک میں کھڑا سیون اسٹار حجلۂ انقلاب ایک اسٹیج میں تبدیل ہوگیا۔ پردہ اٹھا تو ڈرامے کے سارے کردار سامنے کھڑے تھے۔ خود کو حسینی روایتوں کے پرچم بردار قرار دینے والے شیخ الاسلام، ''یزیدی سلطنت'' کے اہم کل پرزوں کے جھرمٹ میں کھڑے گل نوشگفتہ کی طرح مسکرا رہے تھے۔ ایک ایک یزیدی، ان سے گلے مل رہا تھا، حضرت انہیں سینے سے چمٹا رہے تھے، پیار بھری تھپکیاں دے رہے تھے اور آپ کا چہرہ فرط مسرت سے کھلا جا رہا تھا۔ گیسوئے راوی و چناب کی تابداری سے نمو پانے والے ''قافلہ حجاز'' کا خود ساختہ ''حسین'' خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا کہ اسے اس وزیراعظم کے دستخطوں سے مزین، کاغذ کا ایک پرزہ مل گیا ہے جس وزیراعظم کو وہ برطرف کر کے ''سابق'' قرار دے چکا تھا اور جس کے بارے میں ایک عدالتی فیصلے پر اس نے مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو'' کے نعرے بلند کرتے ہوئے کہا تھا کہ آدھا کام ہوگیا، باقی آدھا کل ہوجائے گا''۔

''اسلام آباد لانگ مارچ ڈیکلریشن'' اربوں روپے سے خریدی جانے والی ایک ایسی دستاویز ندامت ہے جس نے شیخ الاسلام کی ڈرامائی داستان حیات میں ایک نئے سیاہ ورق کا اضافہ کردیا ہے۔ سارے ناٹک کا حاصل کیا ہے؟ صرف یہ کہ پیپلز پارٹی، نگران حکومت کے دو نام دیتے وقت اپنے اتحادیوں، الطاف حسین، چوہدری شجاعت حسین اور اسفندیار ولی سے بات کرنے کے علاوہ شیخ الاسلام سے بھی پوچھ لے گی۔ صرف اتنی سی بات کے لئے اتنا بڑا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اب حتمی فیصلہ وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف نہیں کریں گے؟ کیا اب نگران وزیراعظم کے تقرر کے حوالے سے آئینی شقیں ساقط ہوگئی ہیں؟ اگر سب کچھ وہی ہے تو کیا صرف اس لئے یہ ''مک مکا'' نہیں کہلائے گا کہ حضرت نے حکومت سے ایک مک مکا کرلیا ہے؟ الیکشن کمیشن، حکومت، صدر، وزیراعظم، وزراء، اسمبلیاں، انتخابی قواعد وضوابط، سب وہیں کا وہیں۔ کہاں گئیں اللہ اور رسول کی قسمیں؟ کہاں گیا وہ شوق شہادت؟ کہاں گیا وہ حسینی جوش وخروش؟ کہاں گیا یہ دعویٰ کہ یہیں قبر بنے گی لیکن اپنے عزم سے ایک انچ پیچھے نہیں ہٹوں گا؟ کیا معرکہ بدر کی کہانی یہی تھی؟ کیا اسی تماشے کو حضرت نے ''فتح مکہ'' کا نام دیا تھا؟ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میدان کربلا میں نذرانہ جاں پیش کرنے کی قسمیں کھانے والے ''شیخ الاسلام'' نے اپنی بچی کھچی ساکھ (؟) بچانے کے لئے ''چہرہ بچاؤ کرپٹ'' (Face Saving) کے طور پر اپنے غریب وسادہ مداحوں کے سامنے ایک بے توقیر سا تماشا رچایا اور بس۔ ریاست بچاتے بچاتے جب عزت بچانے کے لالے پڑ گئے تو حضرت کے سامنے کوئی راستہ نہ تھا کہ وہ یزیدوں، فرعونوں،

قارونوں، شدادوں، لعنتیوں، چوروں، ڈاکوؤں، حرام خوروں اور بدمعاشوں کو اپنے قبیلۂ انقلاب میں آنے کو، اپنے ماتھے کا جھومر بنائیں اور اس نابکار گروہ کا اتحادی بن کر گھر لوٹ جائیں۔ جاتے جاتے حضرت نے اپنے عقیدت مندوں کو یہ نوید بھی سنائی کہ جس قبیلہ یزید کے خلاف وہ علم جہاں اٹھا کر اسلام آباد آئے تھے، اب وہ قبیلہ یزید، معزز مہمان کی صورت ادارہ منہاج القرآن کے مرکز لاہور کو اپنے قدموں کا اعزاز بخشا کرے گا؟

تازہ ترین خبر یہ ہے کہ شیخ الاسلام نے ایک حلف نامہ داخل کرا کے، کینیڈا میں سیاسی پناہ لے رکھی ہے۔ کینیڈا کی حکومت ان کی تلاش میں ہے کہ اگر واقعی پاکستان میں ان کی جان کو خطرہ تھا تو وہ وہاں کیسے گئے اور اتنی بڑی سیاسی سرگرمی کیسے دکھا دی؟ آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کا کوئی خود کار آئینہ تخلیق ہوا تو شاید سب سے پہلے اس میں حضرت ہی کا عکس جمیل دکھائی دے۔

فی الحال صرف یہ سوچئے کہ کینیڈا کے سیاسی پناہ گزین نے دیکھتے دیکھتے کیسی قیادت بپا کر دی اور اس شعر کا بھی لطف اٹھائیے۔

عجیب تیری سیاست، عجیب تیرا نظام
حسین سے بھی مراسم، یزید کو بھی سلام